مئی 2015

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

کمرے کا دروازہ بند تھا مگر مقفل نہیں تھا۔ کمرے کی ساری بتیاں بجھا دی گئی تھیں۔ کھڑکیوں پر بھاری پردے گرے ہوئے تھے لیکن پھر بھی دروازے کی درز سے ہلکی سی روشنی کی لکیر سی کمرے میں داخل ہو کر اس کمرے اندھیرے کو چیرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ریحاب فرش پر بچھے کارپٹ پر سر گھٹنوں میں دیے اور دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی۔ وہ رو رو کر تھک چکی تھی مگر درد تھا جو کسی صورت کم نہ ہوتا تھا۔ آنکھیں مسلسل گریہ وزاری سے سرخ ہو رہی تھیں اور پپوٹے بے حد بھاری۔ کئی گھنٹوں سے ایک ہی زاویے سے بیٹھنے کی وجہ سے جسم اکڑ گیا تھا۔ مگر اسے جسمانی تکلیف کی پرواہ ہی کب تھی۔ جو درد اسے قریبی رشتوں سے ملا تھا اس کے بعد سے تو ہر اذیت ہر تکلیف جیسے ثانوی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

اس کا موبائل پچھلے کئی گھنٹوں سے مسلسل بج رہا تھا۔ وہ بے حس بیٹھی رہی۔ موبائل چیخ چیخ کر خاموش ہو جاتا اور پھر چند لمحوں بعد پھر سے بجنے لگتا۔ اب پھر موبائل بجنا شروع ہو چکا تھا۔ مگر کی مستقل مزاجی کی حد تھی۔

ریحاب نے اپنا بھاری ہوتا سر گھٹنوں سے اوپر اٹھایا۔ بے تحاشا رونے کے باعث آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی اکڑے وجود کے ساتھ وہ بیڈ تک آئی۔ اپنی جگہ سے اٹھنے اور بیڈ تک آنے کے لیے اسے بے حد جسمانی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جوڑ جوڑ درد سے چیخ اٹھا تھا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور فون

Digest Novels Lovers Group ❤❤

عنبرین ولی

ریسو کیا۔

"ریحاب۔ تم نے کیا سوچ کر مجھ سے اتنی گھٹیا بات کی۔ بولو؟" عمر کی سرد آواز اس نے سنی۔ اس کی آنکھیں پھر سے نیر بہانے لگیں۔

"میں پچھلے چار گھنٹوں سے تمہیں مسلسل فون کر رہا ہوں تم فون ریسیو نہیں کر رہیں، میرے میسجز کا جواب بھی نہیں دے رہیں۔ تمہیں لگ رہا ہے میں تمہیں بخش دوں گا۔ تمہیں اس کا جواب ضرور دینا پڑے گا۔" غصے اور پریشانی میں ڈوبی عمر کی آواز۔ اس نے اپنی سسکی روکی۔

"عمر۔ میں نے تم سے جو کچھ بھی کہا ہے۔ وہ بہت سوچ کر کہا ہے۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں بہتر ہے تم بھی

ناولٹ

اس فیصلے کو قبول کرلو اور تمام کاغذی کارروائی کرکے مجھے طلاق نامہ بھیج دو۔ خدا حافظ۔"

ریحاب نے یہ تمام جملے ادا کرتے وقت اپنی آواز کی لرزاہٹ کو قابو کرنے کی کوشش کی تھی مگر پھر بھی اس کی آواز لرزتی رہی۔ عمر نے اس کی بات مکمل ہوتے ہی فون پٹخ دیا تھا۔ وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے اسکرین کو گھورتی رہی۔

☼ ☼ ☼

وہ سر پکڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔ صبح اچانک ہی ریحاب کا فون آیا اور اس نے اپنی طرف سے سارے رشتے ختم کرڈالے۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔ وجہ بتانے پر وہ راضی نہیں تھی۔ وہ مستقل اس کا نمبر ملا رہا تھا۔ اور جب اس نے فون اٹھایا بھی تو کیا کہا۔؟ اس کی آواز بے حد بھاری ہورہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ روتی رہی ہے اور بات کرنے کے دوران بھی وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کررہی ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ عمر کو اس بات کا احساس ہو اس لیے اس نے اپنے لہجے کو مزید کٹھور بنالیا ہے۔ مگر عمر کو کیسے معلوم نہ ہوتا۔؟ وہ تو اس کی سانسوں میں بستی تھی۔ وہ اس سے بے خبر کیسے ہوسکتا تھا؟ عمر کو اندازہ تھا کہ وہ خود پر جبر کرکے اس سے بات کررہی ہے۔ اس لیے اس نے فون کاٹ دیا۔

عمر نے کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا موبائل اپنی نیلی جینز کی پاکٹ میں ڈالا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھی گاڑی کی چابی اٹھائی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

ریحاب کا وہ فضول سا فون آتے ہی اسے اس سے ملنے کے لیے جانا چاہیے تھا۔ یہ اتنے سارے گھنٹے ضائع کرنے کے بجائے آمنے سامنے ہوکر اس سے سیدھی بات کرنی چاہیے تھی۔ اسے بھروسا تھا کہ اگر وہ اس کے سامنے ہوتا تو وہ اسے اصل وجہ بتادیتی اور شاید اب تک معاملہ سلجھ بھی چکا ہوتا۔

وہ خود کو ملامت کرتا تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ نگاہ ضوفشاں بیگم پر پڑی۔ وہ نفیس سی ساڑھی پہنے کہیں جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ سیڑھیاں اترتے عمر کو دیکھ کر وہ اس کے قریب آئیں۔

"شکر ہے کہ تم گھر پر ہو۔!" عمر نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ ضوفشاں نے بے حد غور سے اس کے حلیے اور پریشان چہرے کو دیکھا۔ ان کی نگاہ عمر کی انگلیوں میں دبی چابی پر تھی پھر وہ بڑے آرام سے گویا ہوئیں۔

"مجھے ضروری کام سے جانا ہے اور تمہارے پاپا اب تک نہیں پہنچے۔ نجانے وہ کب آئیں تم ہی مجھے ڈراپ کردو۔ میں لیٹ ہورہی ہوں۔" عمر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا۔ ضوفشاں بیگم پھر سے بولیں۔

"غالباً" تم بھی کہیں جارہے ہو" اس سادہ اور لاپرواہ حلیے میں وہ صرف اور صرف ریحاب سے ملنے ہی جاسکتا ہے' یہ بات انہیں اچھی طرح معلوم تھی اور انہیں تو یہ بھی معلوم تھا کہ ریحاب نے اس سے شادی سے انکار کردیا ہے اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ اس سے ملے۔ عمر کو روکنے پر تو وہ قادر نہیں تھیں لیکن اسے زچ تو کیا جاسکتا تھا' سو وہ کررہی تھیں۔ ذوالقرنین نے انہیں کہا تھا کہ وہ راستے میں ہیں اور پہنچنے والے ہیں مگر پھر بھی وہ عمر سے ڈراپ کرنے کا کہہ رہی تھیں۔ عمر نے انہیں جواب دینے کے بجائے جیب سے موبائل نکالا اور نمبر ملایا۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔ اور تم مجھے جواب دینے کے بجائے فون کے ساتھ لگ گئے۔" انہیں عمر کی یہی حرکتیں غصہ دلاتی تھیں کہ وہ انہیں اہمیت دینے کو تیار نہ ہوتا تھا۔

"پاپا! آپ کتنی دیر میں پہنچ رہے ہیں؟ ممی بڑی بے صبری سے آپ کا انتظار کررہی ہیں۔" وہ طنزیہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ عمر کی چالاکی پر وہ سلگ کر رہ گئیں۔

"او کے ٹھیک ہے' خدا حافظ۔" اس نے فون کاٹ کر موبائل پھر سے پاکٹ میں رکھا اور ان کی

طرف دیکھا۔

"پاپا کہہ رہے ہیں وہ پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گے اور آپ تب تک اپنا میک اپ ٹھیک کرلیں۔ آپ کی ٹھوڑی پر لپ اسٹک لگ گئی ہے۔" وہ آخری سیڑھی سے چکنے فرش پر قدم رکھتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے بولا۔ وہ جو اسے خوب سنانے کا ارادہ رکھتی تھیں فوراً" کمرے کی جانب بھاگیں۔ عمر کو ان کے انداز پر بے ساختہ ہنسی آگئی۔ ان کی ٹھوڑی پر لپ اسٹک نہیں لگی تھی لیکن وہ اس وقت ان کے سوال و جواب میں الجھ کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے ان کے جاتے ہی باہر کی جانب بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

روتے روتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی' کسی کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرکے اس نے یک دم آنکھیں کھولیں۔ وہ اس کے بے حد قریب بیٹھا تھا اسے لگا وہ خواب دیکھ رہی ہے اتنا حسین خواب۔ اس نے پھر سے آنکھیں موندلیں۔ ہڑبڑائی تب جب اس کے ہاتھ پر عمر کے ہونٹ ثبت ہوئے تھے۔ وہ جھٹکا کھا کر اٹھی' وہ سامنے بیٹھا اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ بری طرح خائف ہوئی تھی۔ اس نے چہرہ موڑ کر تکیے پر پڑا دوپٹا اٹھا کر اپنے گرد لپیٹا۔ اس ساری کارروائی کے دوران وہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا ریحاب کے دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ عمر کا یوں بلا اجازت اس کے کمرے میں آنا اور استحقاق سے بیٹھنا ان سب نے اس کے غصے کو بڑھا دیا۔

"تمہیں' مجھے یہاں دیکھ کر ضرور حیرت ہو رہی ہوگی کہ انکل کی غیر موجودگی میں گھر کیسے آگیا' بلکہ سیدھا تمہارے کمرے میں ہی آگیا۔" وہ ریحاب کا سرخ چہرہ دیکھ کر مسکرا کر بولا۔ وہ گردن موڑے بیٹھی رہی جیسے وہ یہ ساری گفتگو دیواروں سے کر رہا ہو۔

"مجھے تم نے یہاں بلایا ہے ریحاب۔" اس الزام پر ریحاب نے شدید غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر مجھ سے ملنے کے لیے تمہارا دل اتنا ہی بے قرار تھا تو مجھ سے صاف صاف کہہ دیا ہوتا۔ میں آجاتا۔ اتنا بڑا ڈراما کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ بیڈ پر پھیل کر بولا۔ یوں کہ اس کا کندھا ریحاب کے کندھے سے لگ گیا' وہ پیچھے ہوئی مگر عمر نے اپنا بازو اس کے گرد حمائل کردیا۔ ریحاب اچنبھے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایسی بے تکلفی کا مظاہرہ آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

وہ کل رات سے شدید اذیت برداشت کر رہی تھی۔ ہزار جتنوں کے بعد اس نے عمر سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ کتنی تکلیف اٹھا رہی تھی وہ یہ سن کر کہ... اور عمر۔ اسے یہ سب مذاق لگ رہا تھا۔ اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔ شدید غصے سے اس کی گویائی ہی سلب کرلی تھی۔ مگر آنکھوں کو بہنے کا بہانا مل گیا تھا۔ عمر اسے روتا دیکھ کر گڑبڑا گیا۔

"ریحاب۔ کیوں رو رہی ہو؟" وہ پریشان سا پوچھ رہا تھا۔ وہ اور شدت سے رونے لگی۔

"پلیز۔ خاموش ہو جاؤ اور بتاؤ' آخر کیا ہوا ہے؟" وہ اس کے ہاتھ اس کے چہرے پر سے زبردستی ہٹا کر بولا۔

"آپ یہاں سے جائیں بس۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ عمر نے بے چارگی سے اسے دیکھا' وہ اسے دیکھ ہی نہیں رہی تھی۔ اگر اس کی آنکھوں میں دیکھ لیتی تو سارا غصہ بھول جاتی۔

"ٹھیک ہے میں چلا جاؤں گا' لیکن ایک شرط پر۔" وہ جانتی تھی کہ اس کی شرط کیا ہے۔

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم اتنا زیادہ کیوں رو رہی ہو؟" وہ اس سے قطع تعلق کی وجہ دریافت نہیں کر رہا تھا۔ وہ اس سے یوں بلک بلک کر رونے کی وجہ پوچھ رہا تھا۔ حالانکہ گھر سے نکلنے سے پہلے اور یہاں پہنچنے تک اس کے ذہن میں یہی بات تھی کہ وہ اس سے اس فضول بات کی وجہ پوچھ کر ہی ٹلے گا' مگر اسے روتا دیکھ کر اسے بس یہی پوچھنا یاد رہا تھا' عمر کی آنکھوں میں اپنے لیے بے تحاشا محبت دیکھ کر وہ نگاہ چرا گئی۔

"یہاں جو کچھ بھی ہوا اس میں کیا عمر قصوروار ہے؟" وہ پھر سے سوچنے لگی۔ اس کا دل کچھ اور کہہ رہا تھا اور دماغ کچھ اور۔ اسے صرف وہ کرنا تھا جو دماغ نے سمجھایا۔ دل کی تمام دلیلیں' تمام ثبوت دماغ نے رد کردیے تھے۔

"میں آپ سے اپنا ہر تعلق ختم کرچکی ہوں۔ میرا اب آپ سے کوئی رشتہ نہیں تو پھر میں ایک انجان شخص کو اپنے آنسوؤں کی وجہ کیوں بتاؤں؟" دل اور دماغ کی اس جنگ میں دماغ جیت گیا تھا۔ ریحاب کے آنسو تھم گئے تھے۔ اس کی آواز میں اب مضبوطی اور بے حد اجنبیت بھی تھی۔ عمر حق دق اسے دیکھنے لگا۔

"ریحاب۔" اس ایک پکار میں کیا کچھ نہیں تھا۔ دکھ' حیرانی' تکلیف۔ اس نے چہرہ موڑ لیا۔ عمر نے کندھوں سے تھام کر اپنی سمت موڑا۔

"میرا اور تمہارا تعلق اتنا کمزور ہرگز نہیں کہ ایک جھٹکے سے ٹوٹ جائے' میں جانتا ہوں کہ ضرور کوئی بہت بڑی بات ہوئی ہے اور اس نے تم پر بہت منفی اثرات مرتب کیے ہیں اور اسی کے زیر اثر تم یہ سب کہہ رہی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ کچھ ہی دن میں تم بالکل نارمل ہوجاؤ گی۔ مجھے تم ساری حقیقت بتا دینا۔ میں انتظار کررہا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے کہہ رہا تھا۔ ریحاب نے اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹائے۔

"مجھے جو فیصلہ کرنا تھا' وہ میں کرچکی ہوں۔ اب چاہے جتنا بھی وقت گزر جائے' میں اس فیصلے کو تبدیل نہیں کرنے والی۔ مجھے ابھی طلاق چاہیے۔" اس نے سرد مہری سے اپنا جملہ مکمل کیا تھا۔ عمر کا ہاتھ بے ساختہ اٹھا۔ ریحاب گال پر ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"آج کے بعد اگر تمہاری زبان پر غلطی سے بھی طلاق کا لفظ آیا تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا اور میں دیکھتا ہوں کہ کیسے تم مجھ سے رشتہ توڑتی ہو۔ ساری دنیا سے لڑ کر تمہیں میں نے اپنے نام لکھوایا ہے مسز ریحاب عمر۔ اتنی آسانی سے میں تمہیں اپنی دنیا اجاڑنے نہیں دے سکتا۔ تم پر صرف اور صرف میرا حق ہے۔ جیتے جی بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ یہ بات اپنے اس بچکانہ ذہن میں بٹھالو تو بہتر ہے۔" عمر نے انتہائی سخت لہجے میں اپنی بات مکمل کی تھی اور اسے چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ ریحاب ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

عمر کا یہ جارحانہ روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ آج تک وہ اس سے نرمی سے پیش آتا رہا تھا۔ کسی گھنے سایہ دار درخت جیسا تھا وہ۔ دونوں کا نکاح ہوا تو وہ بھی آہستہ آہستہ اس کی محبت میں مبتلا ہونے لگی تھی۔

عمر سے دور ہونے کا فیصلہ تو وہ پہلے ہی کرچکی تھی' مگر اس فون کال کے بعد تو جیسے اس نے خود یہ فرض کرلیا تھا کہ اسے ہر صورت عمر سے دور رہنا ہے۔ ایک سرد نے اس کا بھروسا توڑا تھا۔ دنیا کے سارے مردوں سے اس کا اعتبار اٹھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

عمر بے حد شرمندہ تھا کہ اس نے ریحاب پہ ہاتھ کیوں اٹھایا۔ وہ خود کو ملامت کرتا رہا۔ ساری رات وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سو پایا۔ ریحاب کا روتا اداس چہرہ' بے چین نگاہیں' خود سے بھی کوئی راز چھپاتے کپکپاتے لب ساری رات نگاہوں میں گھومتے رہے۔ عمر کو پہلی بار اندازہ ہوا تھا کہ کانٹوں پر رات گزارنا کیا ہوتا ہے۔

آخر ایسا کیا ہوگیا تھا جو وہ اس حد تک جانے کا سوچ رہی تھی؟ اگر اسے مجھ سے کوئی شکایت ہوتی' وہ کم از کم ایک بار تو مجھ سے کہتی' لیکن اس سب کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ تو ہے۔ کہیں ضوفشاں ممی نے تو۔۔۔ نہیں' ریحاب میرے اور ان کے تعلقات کے بارے میں اچھی طرح جانتی ہے۔ ان کے کسی جھوٹ پر تو وہ یقین کر ہی نہیں سکتی پھر۔۔۔ وہ وجہ اگر میری فیملی سے نہیں تو کیا خبر انکل یا منال سے متعلق ہو۔۔۔ لیکن اگر ایسا ہے بھی تو اس سب میں میری کیا غلطی؟ وہ پوری

رات اسی طرح اندازے لگاتا اور رد کرتا رہا۔

صبح ہوتے ہی اس نے ارادہ کیا کہ وہ آج پھر جائے گا اپنے رویے کی معافی مانگ کر اس سے حقیقت اگلوانے کی کوشش کرے گا۔ بغیر کپڑے تبدیل کیے صرف چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر اس نے اپنی سرخ آنکھوں کی جلن کم کرنے کی کوشش کی اور باہر نکل آیا۔

صبح سات بجے کا وقت تھا۔ گھر کے لوگوں کی صبح بہت دیر سے ہوا کرتی تھی اور آج تو ویسے بھی اتوار تھا بارہ بجے کے بعد ہی کسی کا چہرہ دیکھنے کو ملتا' مگر جب وہ لان میں پہنچا تو حیران رہ گیا۔ ضوفشاں بیگم لان میں واک کرتی پائی گئیں۔ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ وہ جلدی سے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا کہ ان کی نگاہ اس پر پڑی۔ ان کے پکارنے پر بیزار سا ہو کر پلٹا۔

"صبح صبح ایسی حالت بنا کر کہاں جا رہے ہو؟" انہوں نے انگلی سے اس کے حلیے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میں اپنے دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔" وہ ناچاہتے ہوئے بھی چھپا گیا۔

"تمہارا ایسا کون سا دوست ہے ریحاب کے علاوہ جو اتنی صبح صبح بیدار ہو جاتا ہے بلکہ تمہیں اتنی ایمرجنسی میں بلاتا ہے کہ تمہیں کپڑے تک بدلنے کا ہوش نہیں رہتا۔" ایک تو تفتیش اس پر طنز۔ وہ غصے سے پلٹا۔

"ہاں۔ میں ریحاب سے ملنے جا رہا ہوں۔ آپ کو کیا اعتراض ہے؟"

وہ مسکرائیں۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں اور اعتراض ہو گا بھی تو کیوں؟ آخر کو وہ تمہاری دلاری منکوحہ ہے۔ دن ہو یا رات' تم کسی بھی وقت اس سے ملنے جا سکتے ہو۔" انہوں نے ہنستے ہوئے اس پر چوٹ کی۔ انہیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ عمر کی اس حالت کے پیچھے ریحاب بی بی کا ہی ہاتھ ہے۔ آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ عمر شکیل صاحب کی غیر موجودگی میں اس سے ملنے جائے۔ وہ ہفتے دو ہفتے بعد ہی ان کے گھر جاتا تھا' وہ بھی کچھ دیر کے لیے' لیکن کل نہ صرف وہ ان کے گھر گیا تھا بلکہ ساری رات اس کے کمرے کی لائٹ جلتی رہی تھی اور اب اس کی سرخ آنکھیں' فکر مند چہرہ سارے راز اگل رہا تھا۔

"آپ کو کوئی اعتراض ہونا بھی نہیں چاہیے کیوں کہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں آپ کے کسی اعتراض کو کبھی خاطر میں نہیں لایا اور نہ ہی کبھی لاؤں گا۔" وہ بھی عمر تھا۔ اپنی بات مکمل کر کے اس نے ان کا جواب سننے کی زحمت نہیں کی تھی۔

جب وہ ریحاب کے گھر پہنچا تو زینت صفائی میں لگی ہوئی تھی۔ عمر کو اتنی صبح دیکھ کر وہ بھی حیران ہوئی۔ نوکرانی تھی وجہ دریافت تو کر نہیں سکتی تھی۔ البتہ فوراً "سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! منال بی بی کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"جی وہ تو دو دن سے اپنے گھر گئی ہوئی ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم؟" زینت کے جواب پر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ کل اسے منال کا پوچھنے کا ہوش نہیں تھا اور آج جب پوچھا تو وہ یہاں تھی ہی نہیں۔

"آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے؟" وہ اپنے آپ سے مخاطب ہوا اور پھر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اس نے ریحاب کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ روشنی کے کمرے میں پہنچتے ہی ریحاب نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

"ریحاب!" عمر کی بے قرار آواز پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"آئی ایم رئیلی سوری۔" وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ریحاب نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تمہاری طلاق والی بات نے میرے ہوش و حواس سلب کر لیے تھے۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تمہارے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا میں۔ تم میرے لیے' میری سانسیں چلتی رہنے کے لیے ضروری ہو۔ اگر ریحاب نہیں تو عمر ذوالقرنین کے لیے

زندگی نہیں۔ تم اتنی آسانی سے مجھے موت کیسے دے سکتی ہو؟ کیسے مجھے اپنی زندگی سے نکال سکتی ہو؟" عمر کے لفظوں میں سچائی کی مہک اور جذبات کی تڑپ تھی۔ ریحاب کا دل کانپ گیا۔ وہ بے آواز رونے لگی۔

"تمہارا یوں رونا ثابت کرتا ہے کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔ میرا ساتھ تمہیں قبول ہے۔ تم بھی میرے سنگ اپنی زندگی گزارنے کی خواہش مند ہو۔ تو پھر یہ انکار کیوں؟ کیوں تم ہماری سیدھی سادی زندگی کو پر پیچ راستوں پر گھسیٹ رہی ہو؟"

وہ بہت بے چین سا پوچھ رہا تھا۔ ریحاب نے تمام تر ہمت مجتمع کی اور اس کی طرف دیکھا۔

"عمر! مجھے آپ سے محبت ہو یا نہ ہو' وہ الگ کہانی ہے مگر۔ مگر مجھے آپ پر بھروسا نہیں۔" ریحاب کے اس ایک جملے نے ہی عمر کی ذات ہلا کر رکھ دی۔ عمر کے ہاتھوں میں دبا اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ وہ بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ریحاب نے اس سے آنکھیں نہیں چرائی تھیں' وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی وہی کہانی سنا رہی تھیں جو ریحاب کی زبان نے سنائی۔ یہ جملے ادا کرتے اس کی زبان لمحے بھر کے لیے بھی نہ لڑکھڑائی۔ وہ کتنی ہی دیر کچھ بول نہ پایا۔

"تم نے مجھ میں ایسی کون سی خرابی دیکھ لی جو تمہارا مجھ پر سے اعتبار ہی اٹھ گیا۔" وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"اچھا۔ آپ میں تو جیسے کبھی کوئی خرابی تھی ہی نہیں۔" ریحاب کے طنز۔ اف۔

"وہ میرا ماضی تھا اور میں نے تم سے کبھی کچھ نہیں چھپایا۔" اسے لگا' وہ اپنی صفائی دے رہا ہے یہ احساس ہوتے ہی وہ ایک دم چپ کر گیا۔

یہ وہ ریحاب نہیں تھی جسے وہ جانتا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی لڑکی تھی۔ وہ حیران پریشان سا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر عمر نے اسے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا۔ ریحاب نے اس کا ہاتھ تھاما اور آگے بڑھنے لگی۔ وہ چپ چاپ اس کے پیچھے چلتا گیا۔ کمرے کے دروازے کے پار آکر اس نے عمر کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"آج کے بعد میرے دل کے اور میرے کمرے کے دروازے آپ پر بند ہیں۔ انہیں کھولنے کی کوشش بھی کی تو آپ بہت نقصان اٹھائیں گے۔"

وہ ایک قدم کمرے کے اندر رکھتے ہوئے بولی۔ وہ اب تک شاک میں تھا۔ ریحاب کا ارادہ بھانپ کر اس نے بند ہوتے دروازے کو دھکا دیا۔ اگر آج اس نے دروازہ بند کرویا تو۔ معاملہ اور خراب ہو جاتا۔ بگڑ جاتا۔ وہ خود انا میں آجاتا اور وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے رشتے کو وہ انا کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے ریحاب کو دروازہ بند کرتے دیکھ کر دروازے کو دھکا دیا تھا۔ ریحاب کی درد سے بھری چیخ سن کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھا ہے۔ دروازہ ریحاب کے سر سے بری طرح ٹکرایا تھا اور وہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور گر گئی۔ گرنے کی وجہ سے اس کا پاؤں مڑ گیا تھا۔ ماتھا ایک طرف سے پھٹ گیا تھا اور اب خون رس رہا تھا۔ عمر بھاگ کر اندر آیا۔

"پلیز یار۔ غصہ بعد میں کرلینا' جتنا لڑنا ہے لڑ بھی لینا پر ابھی اٹھو اور ڈاکٹر کے پاس چلو۔" اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔

وہ کچھ کہے بغیر اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔ پاؤں میں شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ پھٹے ہوئے ہونٹ اور ماتھے سے خون بہہ رہا تھا' مگر وہ ڈھیٹ بنی اپنا بازو چھڑا رہی تھی۔ عمر کو اس کی ڈھٹائی پر شدید غصہ آیا۔

"تم اگر اب نہیں اٹھو گی تو میں تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گا۔" اس نے دھمکی دی۔ ریحاب ڈر سی گئی۔ عمر نے اب اسے سہارا دیا تو وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ بمشکل بیڈ تک آئی۔ عمر نے فرسٹ ایڈ باکس ڈھونڈ ڈھانڈ کر نکالا۔ اس سے پہلے کہ وہ باکس کھولتا۔ ریحاب نے غصے سے باکس چھینا اور خود ہی اپنے زخم صاف کرنے لگی۔

"ہو گئی میری ٹریٹمنٹ۔ اب آپ جائیے یہاں سے۔" لہجہ اور انداز دونوں روکھے تھے۔ عمر نے کچھ دیر اسے دیکھا۔

PAKSOCIETY.COM

"انکل واپس آجائیں تو میں ان سے رخصتی کی بات کروں گا اور اگر تم نے ان کے ساتھ کوئی فضول بات کی تو پھر مجھ سے کوئی گلہ مت کرنا۔ تم میری بیوی ہو۔ میں تمہیں عزت سے رخصت کروا کر لے جانا چاہتا ہوں' لیکن تمہاری یہی حرکتیں رہیں تو پھر میں کوئی لحاظ نہیں کروں گا۔ اٹھا کر لے جاؤں گا تمہیں' یہ بھی یاد رکھنا۔" ساری نرمیاں بالائے طاق رکھ کر وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ اس کے لہجے میں سختی نہیں تھی مگر انداز ایسا تھا کہ وہ گھبرا سی گئی۔

"اگر آپ نے میرے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی تو میں اپنی جان لے لوں گی' مگر آپ کا نام جوڑے رکھنے کی اذیت میں برداشت نہیں کروں گی۔" وہ چیخ کر بولی۔ عمر کے اٹھتے قدم رک گئے تھے۔ وہ اس کی جانب پلٹا اور نہایت سرد انداز میں اسے دیکھا۔

"تو ٹھیک ہے' تم اپنا ارمان پورا کر لینا۔ میں تو وہی کروں گا جو میں نے کہا ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ عزت کے ساتھ اس گھر سے ڈولی میں رخصت ہونا ہے یا پھر حرام موت گلے لگا کر باپ کی عزت داغ دار کرنی ہے' لیکن ایک بات ذہن میں بٹھا لو۔ دونوں صورتوں میں میرا نام تمہارے نام کے ساتھ ہی رہے گا۔"

وہ مطمئن سا کہہ کر باہر نکل آیا۔ اور وہ اس کے الفاظ پر غور کرتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ کسی کو بھی بتائے بغیر حیدر آباد آگئی تھی۔ شارق زمان نے اسے بلایا تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود اس کے بلانے پر انکار کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے اپنے اماں ابا تک کو اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی کیونکہ اسے ان سے ملنا نہیں تھا۔ اگر وہ شارق زمان کی بات ماننے سے انکار کر دیتی تو وہ خود کراچی پہنچ جاتا۔

وہ شارق کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ کر انتظار کر رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ خوب سجا خوشبوؤں میں ڈوبا اس کے سامنے براجمان ہو گیا تھا۔ اس کا دل نفرت سے بھرنے لگا اس مصنوعی خوشبو میں ڈوبا وجود اندر سے کتنا غلیظ تھا یہ صرف وہی جانتی تھی۔ شارق اسے دیکھ کر مسکرایا۔ وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

"کیسی ہو۔۔۔؟" وہ بڑی لگاوٹ سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے کیوں بلایا ہے یہاں۔۔۔؟ اب تمہیں مجھ سے کیا کام پڑ گیا۔۔۔؟" وہ غصہ دباتے ہوئے بولی۔

"تم سے تو مجھے مستقبل قریب میں بہت سے کام پڑنے والے ہیں۔" اس نے اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا' لیکن وہ ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

"میرے سامنے اکڑامت کرو۔ تم جانتی ہو کہ میں اکڑنے والوں کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔" اس کا لہجہ یک دم بدل گیا۔ منال کیسے بھول سکتی تھی۔ چپ ہو رہی۔

"کام کی بات کرو۔" کچھ دیر بعد اس نے اپنے آپ کو مضبوط کرتے ہوئے کہا اور جواباً" اس نے جو طلب کیا اس سے منال کو زمین و آسمان گھومتے محسوس ہوئے۔

☆ ☆ ☆

انہیں عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ اس بے چینی کی وجہ جاننے سے وہ قاصر تھے۔ یہاں اتنی دور وہ ایک اہم میٹنگ کے سلسلے میں آئے تھے اور اسی کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک دم ہی ان کا دل ہر کام سے اچاٹ ہو گیا۔ رگ و پے میں بے قراری دوڑ رہی تھی۔ انہوں نے لیپ ٹاپ بند کیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کئی روز سے ان کی ریحاب سے بات نہیں ہو پائی تھی۔ وہ انہیں بہت یاد آرہی تھی۔ تب ہی ان کا موبائل بج اٹھا۔ انہوں نے لپک کر فون اٹھایا۔ رات کے بارہ بجے اگر وہ فون کر رہی تھی تو یقیناً" کوئی خاص وجہ ہو گی۔

فون سن کر وہ مزید پریشان ہو گئے تھے۔ کل کی میٹنگ کے بعد انہیں فوراً" پاکستان کے لیے نکلنا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ پہلے ہی بے تحاشا پریشان تھی۔ اس پر عمر کے فون نے رہی سہی کسر پوری کردی۔ وہ اسی وقت حیدر آباد سے نکلی تھی۔ گھر پہنچتے ہی اس نے ملازمہ سے ریحاب کا پوچھا۔

"جی وہ تو دو دن سے اپنے کمرے میں بند ہیں۔ نہ کچھ کھاتی ہیں نہ پیتی ہیں۔ روتی رہتی ہیں۔ نجانے کیا ہوگیا ہے۔" وہ پریشانی سے بتا رہی تھی۔ منال فوراً اس کے کمرے میں آئی۔

"ریحاب۔" اس نے آواز دیتے ساتھ ہی لائٹس آن کیں۔ ریحاب بستر پر آڑی ترچھی پڑی تھی اس کی آواز پر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ منال گھبرا کر قریب آئی۔ وہ شدید بخار کی کیفیت میں تھی۔ اس کا چہرہ تھپتھپانے لگی۔ اس نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولیں اور منال کو اپنے قریب دیکھ کر اس نے منہ پھیر کر آنکھیں بند کرلیں۔

"ریحاب! اٹھنے کی کوشش کرو' میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔" وہ اسے اٹھانے کے لیے جھکی' اس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔

"منال۔ میری نظروں سے دور ہوجاؤ۔" اس نے تمام ہمتیں مجتمع کرکے چیخ کر کہا تھا۔ منال کا رنگ فق ہوگیا۔

"کیا ہوا ریحاب! تم ایسا بی ہیو کیوں کررہی ہو؟ فی الحال سب چھوڑو اور میرے ساتھ چلو۔" منال حد درجہ پریشان تھی۔ آخر کار اس نے عمر کو فون کرکے بلایا۔ عمر سیدھا ریحاب کے کمرے میں چلا آیا۔

"اٹھو۔ ورنہ تم جانتی ہو کہ میں کیا کروں گا؟" منال باہر کھڑی سن رہی تھی۔

"مجھے نہیں جانا۔ تم لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" وہ غصے سے بولی۔

"نہیں چھوڑ سکتے ہم تمہیں ایسے۔" وہ بھی سخت لہجے میں بولا۔

"نہیں جاؤں گی میں۔ نہ جینے دیتے ہو نہ مرنے دیتے ہو۔ آخر تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ کیوں مجھے پاگل کرنے پر تلے ہو تم سب کے سب۔" وہ وحشت سے چلا رہی تھی۔ اس نے عمر کا گریبان پکڑ رکھا تھا۔ عمر کتنی ہی دیر ساکت سا اس کی اس ابتر حالت کو دیکھتا رہا اور پھر چپ چاپ اسے اٹھا کر گاڑی میں بٹھا دیا۔ وہ چیختی چلاتی رہی۔ منال بھی آکر بیٹھ گئی تو اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"اگر وہاں اسپتال میں بھی تم نے یہ سب کیا تو میں سب کے سامنے وہ کروں گا جو تم برداشت نہیں کرپاؤ گی۔ بہتر ہے چپ چاپ اپنا علاج کرواؤ۔" اسپتال پہنچ کر عمر نے اسے وارننگ دی۔

"میں چاہتا ہوں کہ انہیں ایسی دوا دی جائے جس سے یہ سو سکیں۔ پریشانی کے باعث یہ دو راتوں سے جاگ رہی ہیں۔" عمر ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔ ریحاب غنودگی کے عالم میں بڑبڑا رہی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری دوست؟؟؟ میں اتنا چاہتی ہوں وہ۔" منال کا سانس رک گیا۔

"میرے پاپا۔" وہ سسکی۔ منال کے ہاتھ سے ریحاب کا ہاتھ چھوٹ گیا۔

"تم سب بہت برے ہو۔ میں مرجانا چاہتی ہوں۔ مجھے نفرت ہے تم سب سے۔ اپنے آپ سے بھی۔ ہر چیز سے۔" منال کو لگا ساتوں آسمان اس پر گر گئے ہوں۔ وہ بے جان سی ہوگئی۔

ریحاب کے ٹوٹے پھوٹے جملوں نے اسے کیا کچھ نہیں سمجھا دیا تھا۔ اتنی نفرت' اتنی بے اعتباری؟ وہ بے اختیار ریحاب کو دیکھے گئی۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ انکل کو سب بتادوں۔ تاکہ وہ جلد سے جلد آئیں۔ ریحاب کی ذہنی حالت بہت بری ہورہی ہے۔" وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"میں نے انہیں فون کیا تھا۔ ریحاب کے متعلق کچھ نہیں بتایا بس پوچھا تھا کہ وہ کب آرہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ آج شام کی فلائٹ سے پہنچ جائیں گے۔" منال نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ عمر اسے

روتا دیکھ کر لب بھینچ گیا۔

"نجانے کیا غم ہے اسے۔ کیا ہو گیا ہے ریحاب کو۔؟" عمر نے بے بسی سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔ ایک ریحاب کی حالت اس پر بے خبری۔ اصل وجہ معلوم ہوتی تو ہی وہ کوئی سدباب کرتا۔ وہ چپ چاپ ریحاب کو دیکھے گیا۔ جبکہ منال سوچ رہی تھی کہ کیا واقعی اسے حقیقت کا علم ہو گیا ہے۔؟ اگر ہاں تو کیسے۔؟ لیکن اس میں شکیل صاحب کا کیا قصور۔؟ قصوروار تو میں ہوں۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں الجھے ریحاب پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں بس یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے یہاں سے دور جانا ہے۔ سب سے دور۔" وہ اپنے آنسو روکتے ہوئے بولی۔ منال نے بے بسی سے شکیل صاحب کی طرف دیکھا۔ عمر بھی بیٹھا ہوا تھا۔

"تم ہمیں وجہ بتا دو۔ اس کے بعد تم جو کہو گی ہم وہی کریں گے۔" وہ بے حد سنجیدگی سے بول رہے تھے۔ ریحاب کے ہونٹوں پر قفل لگ گئے۔ وہ عمر کے سامنے کیسے یہ سب کہتی اور ہمیشہ کی طرح شکیل صاحب بنا کہے سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے عمر کو اشارہ کیا، وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

"بیٹا۔" وہ اس کے قریب آکر بیٹھے اور کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ریحاب نے یک دم ان کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا تھا۔

"مجھے ہٹا مت کہیے۔ میں کچھ نہیں لگتی آپ کی۔" وہ سسکتے ہوئے بولی۔ منال کا دل سکڑ کر پھیلا۔

"کیا غلطی ہو گئی مجھ سے؟" وہ بے حد نرمی سے پوچھ رہے تھے۔ ریحاب چیخ پڑی۔

"منال کے ساتھ آپ کا تعلق؟" شکیل صاحب کو لگا، کسی نے گرم سیسہ ان کے کانوں میں انڈیل دیا ہو۔ منال کا شک صحیح تھا۔

"نفرت ہے مجھے آپ سے، منال سے، سب سے۔" وہ رو رہی تھی چیخ رہی تھی۔ شکیل صاحب گم صم بیٹھے تھے۔ عمر اسے قابو کرنے کی کوشش میں تھا۔

"عمر چھوڑ دو اسے۔ یہ ہمارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، ٹھیک ہے۔ پندرہ دن بعد ریحاب کی تمہارے ساتھ رخصتی ہے۔ تم بارات لے کر آؤ یا اکیلے، تمہاری مرضی۔" شکیل صاحب کی بات سن کر ریحاب پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔ کمرے سے باہر نکلتے وقت ان کی چال بے حد شکستہ تھی۔ عمر ان کے پیچھے لپکا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ اور جا کر تیاریاں کرو۔ جس دن تمہاری رخصتی ہو گی اس دن میں منال سے نکاح کروں گا۔" ایک اور دھماکا۔ منال کو لگا وہ زمین میں گڑ گئی ہے۔ عمر بھی نگاہیں چرا گیا۔

☼ ☼ ☼

ریحاب البم کھول کر بیٹھی تھی اور بڑی محویت سے ایک ایک تصویر دیکھ رہی تھی۔ یہ ساری تصویریں اسکول اور کالج کے خوش گوار دنوں سے وابستہ تھیں۔ اس میں الجھ کر کتنا وقت گزر گیا اسے احساس تک نہ ہوا۔

کافی دیر بعد اس نے ساری تصویریں سمیٹ کر الماری میں رکھیں پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھایا اور اپنی دوست منال کا نمبر ملایا۔

"السلام علیکم!" اس نے بے حد خوش گوار لہجے میں اسے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو ریحاب؟" منال نے لہجہ بشاش بشاش بناتے ہوئے کہا، لیکن تھکن پھر بھی ظاہر ہو گئی۔

"میں تو ٹھیک ہوں۔ تمہیں کیا ہوا، طبیعت تو ہے؟" اس نے فوراً ہی اس کے لہجے کی تھکن محسوس کر لی۔

"ارے مجھے کیا ہو گا، بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں میں بھی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اتنی مری ہوئی آواز میں کیوں بات کر رہی

ہو۔ انکل کی طبیعت کیسی ہے؟" رہاب نے استفسار کیا۔

"اصل میں پچھلے دنوں ابو کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ انہیں اسپتال داخل کروانا پڑا۔ امی خود بیمار رہتی ہیں۔ ابو کی تیمارداری نہیں کر سکتیں تو ابو کے ساتھ اسپتال میں مجھے رہنا پڑا۔" اس نے سرسری لہجہ اپنا کر بات کی۔

"اب کیسے ہیں وہ؟"

"اب تو کافی بہتر ہیں۔" اس نے گہری سانس خارج کر کے کہا۔

"اور تمہاری جاب۔؟" اس کے اگلے سوال پر وہ گڑبڑا گئی۔

"جاب بھی بس ٹھیک سی چل رہی ہے۔"

"سچ بتاؤ منال۔" رہاب کا انداز دھمکانے والا تھا۔

"چھٹیاں زیادہ ہونے کی وجہ سے جاب سے نکال دیا گیا۔" اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"اوہ۔" وہ چپ ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

شکیل صاحب گھر پہنچے تو رہاب کو لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے۔

"رہاب بیٹا۔" انہوں نے اسے پکارا تو وہ ہڑبڑا گئی۔ وہ اپنے خیالات میں ابھی ان کے قدموں کی چاپ تک فراموش کر چکی تھی۔

"السلام علیکم! پاپا۔ آپ کب آئے؟" وہ اپنی شرمندگی چھپاتی ان کے ہاتھ سے بریف کیس تھامتے ہوئے بولی۔

"خیریت۔ تم کچھ پریشان ہو؟" وہ تشویش سے لہجے میں بولے تو وہ ہنس پڑی۔

"پاپا! آج بہت دن بعد میں نے منال کو فون کیا تو مجھے اپنی بے خبری پر شدید غصہ آیا۔" اور پھر اس نے ساری تفصیل ان کے گوش گزار کر دی۔

"وہ بے حد پریشان ہے کیونکہ اس کی نوکری ختم ہو گئی ہے آپ اس کے لیے جلدی سے جاب ڈھونڈ دیں نا۔ وہ پھر تو یہ ملوں اور بیٹا۔" وہ فکری مندی سے بولی۔

"تم پہلے بھی اسے کئی بار یہاں بلا چکی ہو، لیکن وہ نہیں مانتی۔ پچھلی بار بھی میں نے اپنے ہی آفس میں اسے سیٹ کرنے کا سوچا تھا، لیکن وہ تیار نہیں ہوئی آنے پر۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔ رہاب کو سب یاد تھا، لیکن وہ اس رویے کی وجہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

"پاپا آپ بس جاب کا بندوبست کیجیے میں اسے منالوں گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ مان جائے گی۔ کیونکہ اپنے والد کی بیماری اور پھر اس کی نوکری کے ختم ہونے کے بعد وہ بہت سے مسائل کا شکار ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ بیٹا کوشش کرتے ہیں۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"پاپا! میں منال سے ملنے کے لیے حیدر آباد جانا چاہتی ہوں۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تم دن منتخب کر لو میں تمہیں لے چلوں گا۔ فی الحال مجھے اچھی سی چائے پلاؤ۔ آج ہم دونوں باہر ڈنر کریں گے۔" وہ خوش گوار انداز میں بولے۔ وہ مسکراتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"عمر! تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟ کیوں مجھے پٹوانا چاہتے ہو؟" آصف اس کی فرمائش سن کر گھبرا گیا تھا۔

"میرے ہوتے ہوئے تجھے کوئی اور کیوں پیٹے۔ اس نیک کام کے لیے میں کافی ہوں۔" اس نے اپنے خطرناک تیور دکھائے۔ آصف کا منہ بن گیا۔

"یار! دیکھ اگر تو یہ سب کرے گا اور تیرے پاپا کو پتا چل گیا تو۔؟"

"تو کچھ نہیں ہو گا۔ بحث مت کر اور یونیفارم دے مجھے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ آصف، عمر کا دوست تھا۔ یہ فائیو اسٹار ہوٹل آصف کے ابا جان کا تھا۔ وہ بھی کبھی کبھار وزٹ کر لیتا (صرف کچن کا) پر آج عمر نے اسے فون کر کے بلایا تھا۔ اسے اگر علم ہوتا کہ وہ اس سے ایسی فرمائش کرے گا تو وہ آج تو ہرگز نہ

آتا لیکن نہ صرف وہ آچکا تھا بلکہ پھنس بھی چکا تھا۔ عمر کے ہاتھوں۔ عمر کی بات نہ ماننے کا مطلب تھا اس کی ناراضی۔

عمر ویٹرز کا مخصوص لباس پہنے پورے ہال میں گھوم رہا تھا۔ وہ آرڈرز وہ لے چکا تھا۔ اس کی نگاہیں بار بار داخلی دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ ربعاب اپنے پاپا کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ مہینوں کے بعد اسے دیکھ رہا تھا۔ ربعاب کو دیکھ کر اسے اچھا بلکہ بہت اچھا لگا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ بالکل سادہ سے حلیے میں تھی۔ اس کا جی چاہا وہ جائے اور اس کا حال احوال پوچھے مگر ظاہر ہے وہ اس روپ میں اس کے سامنے جاتا تو وہ حیران ہونے سے زیادہ پریشان ہو جاتی۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے شکیل صاحب کو موبائل کان سے لگائے باہر نکلتے دیکھا تو وہ اس کے پاس چلا آیا۔

"کیسی ہو۔۔۔؟" وہ مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

"آپ یہاں۔۔۔ اس حال میں۔۔۔؟" وہ شدید حیرت زدہ تھی۔ اس سے پہلے کہ عمر اسے کوئی جواب دیتا اس نے اپنے پاپا کو اپنے دوستوں کے ہمراہ اندر آتے دیکھا۔

"میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں پہلے آرڈر لے لوں۔" وہ فوراً وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

عمر اس سے ذرا دور ایک ٹیبل پر آرڈر لینے لگا جہاں سے اس کے پاپا اور ان کے دوست اسے آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔ عمر ٹیبل کے پاس کھڑا کچھ کہہ رہا تھا کہ اس کی آواز سن کر حامد صاحب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اوکے میم۔۔۔" وہ آرڈر لے چکا تھا۔ ابھی وہ اسی شاک سے باہر نہ نکلے تھے کہ لڑکی کے قریب سے گزرتے عمر نے جان بوجھ کر پانی کا گلاس اس پر انڈیل دیا تھا وہ لڑکی چیخ کر اٹھی تھی۔

وہ "سوری میم۔۔۔ سوری میم" کر رہا تھا اور وہ نازک اندام سی لڑکی اسے ذلیل کر رہی تھی۔ حامد صاحب کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر یہ ہوا کیا ہے اور کیوں ہوا ہے؟ عمر سر جھکائے سب سن رہا تھا۔ حامد صاحب کے برابر میں بیٹھے ان کے دوست سوالیہ نگاہوں سے حامد صاحب کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

جبکہ عمر کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ وہ لڑکی کسی طور چپ نہیں کر رہی تھی۔ اس کے ہنگامہ مچانے پر مینیجر دوڑتا ہوا آیا تھا۔ عمر کی حیثیت سے واقف تھا۔ وہ اپنی جگہ پریشان کہ کرے تو آخر کیا کرے، جب ہی وہ خود اس کی ٹیبل پر آگئے تھے۔

ربعاب سے جب یہ برداشت نہ ہوا تو وہ بھی اٹھ کر باہر نکل گئی۔

"اسٹاپ دس نان سینس۔ تم جانتی بھی ہو کہ تم کس سے بات کر رہی ہو؟" وہ لڑکی کے سر پہ جا کر دھاڑے تھے۔

"یہ خاتون ایک ویٹر سے بات کر رہی ہیں اور ویٹرز کے ساتھ اسی طرح بات کی جاتی ہے۔" عمر کا سرد انداز میں ادا کیا گیا جملہ انہیں سب سمجھا گیا تھا۔ وہ اچنبھے سے اسے دیکھ رہے تھے۔ یہ ان کا بیٹا تھا۔

"ویٹرز کی کوئی عزت نہیں ہوتی کیونکہ وہ آپ جیسے لوگوں کی چاکری کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ نچلے درجے کے کیڑے مکوڑوں جیسی زندگی گزارنے والوں کی کیا عزت۔۔۔ ہے نا سر۔۔۔؟" وہ لڑکی اب چپ ہو کر انہیں دیکھ رہی تھی۔ حامد صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

کچھ روز پہلے اسی ہوٹل میں عمر ان کے ساتھ تھا۔ اور ویٹر سے پانی کا گلاس ان کے کپڑوں پر گر گیا تھا۔ وہ لڑکا "سوری" تک نہ کہہ سکا تھا کیونکہ حامد صاحب نے ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر مارا تھا۔ عمر کے غصہ کرنے اور جھگڑا کرنے پر انہوں نے وہ الفاظ ادا کیے تھے جو عمر نے اب ان کے سامنے دہرائے تھے۔

"شکر کیجیے کہ انہوں نے مجھے اس غلطی پر تھپڑ نہیں مارا۔" وہ سخت غصے سے کہتا وہاں سے چلا گیا۔ وہ انہیں کیا سمجھانا چاہتا تھا۔ وہ باپ تھے۔ عمر ان کی جان تھا۔ جب وہ لڑکی ان کے بیٹے کو الٹا سیدھا بول رہی تھی، اس وقت غصے سے انہیں لگ رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کا

گلا ہی دبا دیں گے۔ انہیں اس کم عمر سے لڑکے کی سرخ آنکھیں اور جھکا چہرہ یاد آیا۔ اگر وہ ایک بیرا نہ ہوتا اور کسی امیر آدمی کا بیٹا ہوتا اور اس کے ہاتھوں ان کے کپڑے گندے ہو جاتے تو کیا وہ یہی رویہ رکھتے۔ بات ان کی سمجھ میں آگئی تھی' کسی اور کی عزت نفس کا احساس دلانے کے لیے وہ اپنے آپ کو بے عزت کروا رہا تھا۔ اتنا بڑا دل تھا عمر کا۔۔۔؟ وہ کچھ بول ہی نہ پائے۔

☼ ☼ ☼

موسم بدل رہا تھا۔ سردیاں شروع ہو رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ رش بڑھتا' وہ خریداری کر لینا چاہتی تھی۔ اس مقصد کے تحت وہ بازار آئی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ منال سے ملنے جائے گی تو ان سب گھر والوں کے لیے بھی گفٹ لے جائے گی۔ اس لیے وہ دل کھول کر خرچ کر رہی تھی۔ جب ایک جگہ ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ بلاشبہ عمر ہی تھا۔ کاؤنٹر پر کھڑا وہ خواتین کو ڈیل کر رہا تھا' وہ اس سے چھ قدم کے فاصلے پر تھی۔ عمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ آنکھوں میں الجھن لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ عمر مسکرایا۔

"پلیز میم۔ آیئے۔" وہ دونوں خواتین کو فارغ کر چکا تھا اور اب اپنی تمام تر توجہ اس پر مرکوز کیے ہوئے تھا۔ وہ حیران پریشان سی کاؤنٹر کے قریب آگئی۔

"آپ یہاں بھی۔۔۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

عمر نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"کیوں کیا میں یہاں نہیں ہو سکتا؟" وہ بے حد سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ وہ میرا مطلب تھا کہ آپ اس دن۔۔۔ ہوٹل میں۔۔۔ اور اب یہاں۔۔۔ آپ کو جاب سے نکال دیا گیا؟" وہ حیرت زدہ سی پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔" اس نے بھی اپنے لہجے میں اداسی بھری۔

"لیکن آپ یہ معمولی معمولی سی نوکریاں کر کیوں رہے ہیں؟ آپ کے والد کا تو اپنا کاروبار ہے؟" ریحاب نے ذہن میں آئے سوال کو زبان دی۔

"تھا۔ لیکن اب نہیں ہے۔۔۔ بزنس میں شدید نقصان نے ہمیں سڑک پر لا کھڑا کیا۔" عمر کے لہجے میں رقت پیدا ہوئی۔

"اور آپ کی تعلیم؟" وہ یونیورسٹی میں بہت قابل اسٹوڈنٹ ہوا کرتا تھا' اس سے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"اگر وہ کام آتی تو کیا میں آپ کو یہاں دکھائی دیتا۔۔۔ ہر کوئی تجربہ مانگتا ہے اور سفارش بھی۔ جو کہ میرے پاس نہیں۔ یہاں صرف اس کی اہمیت اور قدر ہے جس کے پاس پیسہ ہے۔" اس کا لہجہ آخر میں تلخ ہو گیا تھا۔ عمر ریحاب کا یونیورسٹی فیلو اور ایک سال سینئر تھا۔ عمر کی ذہانت کے چرچے پوری یونیورسٹی میں تھے۔ لڑکیاں اس کی خوب صورت شخصیت پر مرتی تھیں۔ ذہانت پر جان دیتی تھیں۔ وہ بھی اسے کئی بار ان "تتلیوں" کے جھرمٹ میں دکھائی دیا تھا۔

وقت اور حالات انسان کو کس قدر مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ وہ بھی بل بنا رہا تھا۔

"عمر!" اس نے بے حد سوچ کر اسے پکارا۔ ریحاب نے شاید پہلی بار اسے اس کے نام سے پکارا تھا۔ عمر کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں' مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ اس نے ایک چٹ پر اپنا نمبر لکھا اور اسے تھمایا۔

"آپ کو۔۔۔ اگر۔۔۔ ضرورت پڑے تو مجھے اس نمبر پر فون کر دیجیے گا۔" وہ جھجک کر بولی۔ کہنا تو وہ یہ چاہتی تھی کہ وہ اپنی سی وی اسے دے دے' لیکن یہ بات سن کر عمر کو برا بھی لگ سکتا تھا۔ عمر نے پرچی لے لی۔

"شکریہ۔" وہ مسکرا کر بولا۔ ریحاب بے وقت مسکرائی۔ اس کا دل بے حد بوجھل ہو گیا تھا۔ اس نے آنکھوں میں امڈتی نمی کو صاف کیا۔ عمر بغور اسے دیکھ رہا تھا اور پھر نگاہ موڑ لی۔

عمر نے اسے ملول دیکھا تو اس کا جی چاہا وہ اسے سب سچ بتا دے۔ اس کے چہرے کی اداسی ختم کر دے' مگر وہ وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔

ریحاب کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ

ہاتھ میں پکڑے فون نمبر کو دیکھ رہا تھا۔ بے اختیار ایک نرم سی مسکان نے اس کے ہونٹوں کو چھوا۔ اس نے نمبر اپنے موبائل میں محفوظ کیا اور پرچی اپنے والٹ میں رکھ لی۔ وہ مستقل اسی کے بارے میں سوچ جارہا تھا۔ ایک محبت کی ابتدا ہو رہی تھی۔ چپکے چپکے۔

☆ ☆ ☆

رات اس نے بہت کچھ سوچتے اور منال سے ملنے کی خوشی محسوس کرتے گزاری تھی۔ صبح جب وہ اپنے کمرے سے نکلی تو شکیل صاحب کے کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے بال بنا رہے تھے۔ گہرے نیلے رنگ کی شرٹ اور گرے پینٹ پہنے وہ عام دنوں سے کہیں زیادہ ہینڈسم لگ رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر مسکرائی۔

"پاپا! کبھی کبھار میں سوچتی ہوں کہ دادی اماں نے آپ کی شادی کم عمری میں کروا کر کافی نیک کام کیا تھا اور عقل مندانہ بھی۔" وہ شرارت سے بول رہی تھی۔ وہ چونکے۔

"عقل مندانہ وہ کیسے بھلا۔۔۔؟" وہ مصنوعی حیرت سے بولے۔

"وہ ایسے کہ اگر آپ کسی کو یہ کہیں کہ آپ سنگل ہیں تو وہ بلا تردد مان لے گا اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ لڑکی ربحاب میری بیٹی نہیں میری بہن ہے تو بھی آپ کی اس بات پر ہر کوئی یقین کر لے گا۔" وہ بہت شریر لہجے میں بولی۔ انہیں ہنسی آگئی۔ ان کی عمر واقعی کم تھی۔ نوجوانی میں ہی ان کی شادی کروا دی گئی تھی اور ربحاب کی پیدائش شادی کے ایک سال بعد ہی ہو گئی۔ ان دونوں کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا' یہ باپ بیٹی ہیں۔

"اچھا۔ مکھن بعد میں لگانا۔ پہلے ناشتا کر لو۔ پھر نکلنا بھی ہے۔" وہ کلائی میں گھڑی باندھتے ہوئے بولے تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے منال کو نہیں بتایا تھا کہ وہ اس سے ملنے آرہی ہے۔ وہ اسے سرپرائز دینا چاہتی تھی۔ ناشتا کرتے ہی وہ حیدر آباد کے لیے نکل گئے۔ وہاں پہنچ کر اس نے تیزی سے اتر کر دروازہ بجایا۔

دروازہ منال نے کھولا تھا۔ ربحاب کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ حیران تھی۔ اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔ اس کی غیر متوقع آمد پر وہ منہ کھولے کھڑی تھی۔ ربحاب اس کی حالت دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"منہ کھول کر کھڑی رہو گی کہ مجھ سے ملو گی بھی؟" وہ بے حد خوشگوار انداز میں بولی تھی۔ منال اس سے لپٹ گئی۔ دونوں ہی آبدیدہ تھیں۔ منال کی بند آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"کتنا روئیں گی آپ۔۔۔؟" جانی پہچانی آواز پر وہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ اس کے سامنے کھڑے تھے۔ اس کا دل چاہا وہ ان پر نگاہیں جمائے کھڑی رہے۔ لیکن دل کو ڈانٹ کر وہ ربحاب سے دور ہوئی اور نگاہیں جھکالیں۔

"السلام علیکم!" اس نے شرمندہ سے لہجے میں سلام کیا اور سائیڈ پر ہو گئی۔ وہ جواب دیتے اندر داخل ہوئے۔ تین کمروں اور مناسب صحن پر مشتمل چھوٹا سا گھر بے حد صاف ستھرا تھا۔

"آئیں۔ بیٹھیں۔" اس نے جلدی سے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اندر گھس کر لائٹ آن کی' پنکھا چلایا تاکہ بند کمرے میں تازگی ہو۔ انہیں بٹھا کر وہ کچھ دیر کے لیے غائب ہوئی۔ آئی تو گلاسوں میں جوس تھا۔ انہیں گلاس تھما کر وہ سامنے بیٹھ گئی۔

"آنٹی انکل کی طبیعت کیسی ہے؟" ربحاب نے بات کا آغاز کیا۔

"امی کے گھٹنوں میں درد تھا' وہ اسپتال گئی ہیں جبکہ ابو کچھ دیر پہلے ہی سوئے ہیں۔ کافی بہتر طبیعت ہے۔ تم سناؤ کیسی ہو؟" اس نے سنجیدہ انداز میں جواب دیا تھا۔ ربحاب نے اس کی پریشانی محسوس کی تھی۔ شکیل صاحب کو بھی وہ بے چین سی لگی۔ اس کے مالی حالات جس طرح کے تھے اسے پریشان تو ہونا ہی تھا۔ مگر کچھ اور بھی تھا۔ منال بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ وہ شکیل صاحب کے سامنے کھل کر کچھ بھی نہیں پوچھ سکتی تھی۔ اسی لیے اسے یونیورسٹی کے قصے سنانے لگی۔ اس کا آخری سمسٹر بھی مکمل ہو گیا تھا۔ وہ اب نیچے

کے انتظار میں تھی۔ منال اس کی باتیں سنتی رہی پر توجہ شکیل صاحب پر تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے دھیان میں تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ جب سے ریحاب سے ملا تھا اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے اپنے والٹ میں سے وہ پرچی نکالی اور اسے دیکھ کر مسکرایا۔ ایک خوبصورت سا منظر اس کی نگاہوں میں آیا تھا۔ ریحاب اس کی جونیئر تھی۔ عمر نے نئے آنے والوں کی بہت ریگنگ کی تھی۔ اسٹوڈنٹس کسی بھی ڈپارٹمنٹ کے ہوتے اس کی شرارتوں سے نہیں بچ پاتے تھے۔ جب ریحاب نے یونیورسٹی جوائن کی پہلے ہی دن اس کا ٹاکرا عمر سے ہوا تھا۔ مگر حیرت انگیز طور پر عمر نے اس سے کوئی شرارت نہیں کی تھی۔ عمر کو خود اس کی وجہ معلوم نہیں تھی۔

شاید ریحاب کی بے تحاشا معصومیت نے اسے کسی بھی شرارت سے روکے رکھا تھا۔ اس کی شخصیت میں عجیب سی دلکشی اور طلسم تھا۔ جس نے عمر کو متوجہ کیا تھا۔ عمر سے اس نے ڈیپارٹمنٹ کا پتا دریافت کیا تھا۔ اور عمر اسے پتا سمجھانے کے بجائے اسے خود ڈیپارٹمنٹ تک چھوڑ آیا تھا۔ اس کی یہ حرکت اس کے دوستوں کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے دوست یہی سمجھے کہ یقیناً" وہ دونوں پہلے سے ہی ایک دوسرے سے واقف ہیں اس لیے عمر نے اسے تنگ نہیں کیا۔ عمر نے اس الزام کی سخت لہجے میں نفی کی تھی۔

"ریحاب مجھے پہلی نگاہ میں معصوم اور سادہ لگی ہے اس لیے میں نے اسے تنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" یہ بیان عمر کا تھا اور سچائی پر ہی مبنی تھا۔ مگر نیا آنے والا ہر طالب علم شروع کے دنوں میں اسی قدر معصوم اور سادہ دکھائی دیتا ہے جتنی کہ ریحاب تو پھر ان "معصوموں" کی ریگنگ کیوں؟" اعتبار نے اسے گھورتے ہوئے کافی اچھا پوائنٹ اٹھایا تھا' وہ عمر کی دوست تھی اور عمر کوئی جواب نہیں دے پایا۔

ان گزرے سالوں میں اسے معلوم تھا کہ ریحاب کے فادر کو تو وہ بہت اچھی طرح جانتا ہے کاروباری حلقے میں وہ کافی مشہور تھے۔ کئی پارٹیز میں ان کی ملاقات ہوئی تھی لیکن ریحاب کو اس نے کبھی ان کے ہمراہ کسی پارٹی میں نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے وہ جان نہیں پایا کہ وہ ان کی بیٹی ہے۔ جب اسے معلوم ہوا تو حیرت ہوئی۔ وہ اب تک یہ سمجھتا آیا تھا کہ ریحاب کی سادگی اور شرافت مڈل کلاس کے مذہبی گھرانے کی دین ہوگی حقیقت معلوم ہونے پر اسے اپنی سوچ پر افسوس ہوا۔ اسے اول روز سے وہ اچھی لگی تھی۔ اس نے کئی بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس سے گریزاں تھی۔ بلکہ ہر اس لڑکے سے جس کے ایک افیئر کا بھی اسے علم ہوتا اس سے دور بھاگتی۔ اس کی اس درجہ احتیاط پسندی پر وہ کئی بار ہنسا تھا لیکن اس نے ریحاب کو کبھی تنگ نہیں کیا۔

اس کی پڑھائی مکمل ہو چکی تھی۔ اس کے بعد اس کا سامنا ریحاب سے مہینوں بعد ہوتا تھا' وہ بھی کسی شادی کے فنکشن میں۔ ہیلو ہائے کے بعد وہ یوں بیٹھ جاتی جیسے گونگی ہو۔ اور اب چھ ماہ بعد وہ اسے وہاں دکھائی دی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی انسلٹ کے وقت اٹھ کر باہر جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس کا حساس دل بھر آیا ہوگا اور وہ کھانا بھی نہ کھا سکی ہوگی۔

اور پھر وہ اسے شاپنگ مال میں دکھائی دی۔ وہ اسے کاؤنٹر پر کام کرتے دیکھ کر دکھی اور پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے بنا سوچے سمجھے جھوٹ بولا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ شاید اس کی توجہ کے حصول کے لیے کیونکہ پچھلے کئی دن سے ریحاب اس کے ذہن پر سوار تھی اور بار بار اسے یاد آ رہی تھی۔

وہ اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا۔ اس کا ملازم کہیں گیا تھا تو اپنے دوست کے ساتھ وہ بھی تفریحاً" کسٹمر کو بھگتانے لگا۔ عمر کو کیا علم تھا کہ محض تفریح کے لیے جانے والے کام میں اسے ریحاب کا نمبر مل جائے گا۔ بغیر کسی کوشش کے۔

وہ کل سے اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اسے فون کرے نہ کرے۔ دل اس کی آواز سننا چاہتا تھا۔ اس نے تھک ہار کر دل کی بات مان لی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس نے ریحاب کا نمبر ڈائل کیا جو کہ اس نے "پری" کے نام سے محفوظ کیا تھا۔ بیل جانے لگی۔ آخری گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔

"ہیلو۔" نیند میں ڈوبی خمار آلود آواز نے اس کے کانوں کو چھوا۔

"ہیلو۔" دوسری بار آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔ وہ چپ رہا۔

"کس کا فون ہے۔؟" ایک اور نسوانی نیند سے بھری دھیمی آواز بھی ابھری تھی۔

"پتا نہیں۔" ریحاب نے شدید بے زار لہجے میں کہہ کر فون کاٹ دیا۔ ریحاب کی بے خبری پر وہ افسردہ سا ہوا اور بیڈ پر گر گیا۔

☼ ☼ ☼

ریحاب، منال کے گھر میں کچھ دن کے لیے رک گئی تھی، شکیل صاحب کراچی واپس چلے گئے۔

ریحاب اور منال اسکول کے زمانے سے دوست تھیں۔ ریحاب شہر کے مہنگے ترین اسکول میں پڑھتی تھی۔ حامد صاحب وہاں کینٹین چلاتے تھے اور اسی وجہ سے منال کو وہاں داخلہ دے دیا گیا تھا۔ پرنسپل اچھے انسان تھے انہوں نے منال کی ذہانت سے متاثر ہو کر فیس معاف رکھی تھی۔ ورنہ ایک معمولی انسان کی بیٹی کا وہاں پڑھنا ناممکنات میں سے تھا۔ منال اور ریحاب کی عمروں میں تین سال کا فرق تھا۔ منال اس سے تین سال بڑی تھی۔ مگر دونوں کلاس فیلوز تھیں۔ ہم مزاج تھیں سو دونوں کی جلد ہی دوستی ہو گئی۔ میٹرک کے بعد دونوں نے ایک گورنمنٹ کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ حامد صاحب نے اسکول کی کینٹین ختم کردی، وہ اب اپنا کاروبار کرنا چاہتے تھے۔

حامد صاحب نے کاروبار شروع تو کردیا تھا لیکن پھر بھی پیسہ کم پڑ گیا تھا تو انہیں اپنا گھر فروخت کرنا پڑا۔ حیدر آباد میں چھوٹا سا ان کا آبائی گھر تھا۔ منال گھر فروخت ہو جانے پر کتنے دن افسردہ رہی تھی۔ حامد صاحب نے اپنی بیٹی کو یقین دلایا تھا کہ وہ جلد ہی اپنا گھر پھر سے خرید لیں گے مگر حالات نے یوں پلٹا کھایا کہ سب حق دق رہ گئے۔ جس کے ساتھ مل کر انہوں نے کاروبار کی بنیاد رکھی وہ شخص سب کچھ سمیٹ کر فرار ہو گیا۔ حامد صاحب کا دل یہ برداشت نہ کر سکا۔ اس حادثے کے بعد وہ بیمار رہنے لگے۔ ان حالات میں منال اپنا کالج بھی جاری نہ رکھ سکی۔ ریحاب کے لاکھ روکنے پر بھی وہ کراچی میں نہیں رکی تھی۔ اور اپنی فیملی کے ساتھ حیدر آباد میں شفٹ ہو گئی۔ حامد صاحب نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردیا تھا۔ اور اب مزدوری کر کے پھر سے گھر کا خرچ چلانے لگے۔

ریحاب بے حد اداس تھی۔ وہ پرنسپل کو اس تمام واقعے کے بارے میں بتا چکی تھی اور گزارش کی تھی کہ حاضری نہ ہونے کی صورت میں منال کا ایڈمٹ کارڈ نہ روکا جائے۔

امتحانات میں جب ایک مہینہ رہ گیا تو ریحاب خود اسے لے کر کراچی آگئی تاکہ وہ مکمل توجہ کے ساتھ امتحانات دے سکے۔

لیکن منال کی توجہ بھٹک گئی تھی۔ اسے بالکل اچانک ہی شکیل صاحب اچھے لگنے لگے تھے اتنے کہ وہ خود سے گھبرا گئی تھی۔ ان کا سامنا کرنے سے کترانے لگی۔ پہلے بھی وہ ان سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی لیکن اب تو ان کی موجودگی میں وہ کمرے سے ہی نہ نکلتی۔

وہ اپنے آپ سے سخت شرمندہ تھی۔ خود کو لعنت ملامت کرتی۔ وہ اس کی دوست کے والد تھے اس لحاظ سے وہ اس کے انکل ہوئے۔ وہ جتنا سوچتی اسی قدر پشیمانی اور شرمندگی میں گھرتی جاتی۔ پر دل پر کب کس کا زور چلا ہے۔ البتہ اس نے عہد کیا تھا کہ وہ آئندہ کراچی نہیں آئے گی۔

امتحانات کے بعد اس نے ایک دن بھی وہاں رکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ریحاب اس کی جلد بازی پر

ناراض ہو چکی تھی لیکن وہ کیا کرتی۔ مجبور ہو چکی تھی وہ۔ بعد میں اس ریحاب کو منالیا تھا۔ اگلے سال پھر اسے آنا پڑا اس بار اس نے امتحان سے بس ایک دن پہلے ہی اس شہر کا چہرہ دیکھا جس نے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا۔ دل بھی۔ حامد صاحب بیماری کے باوجود مزدوری پر جاتے تھے۔ اس نے پرائیویٹ بی اے میں داخلہ لے لیا اور ایک اسکول میں نوکری کے ساتھ ساتھ ٹیوشن بھی پڑھانے لگی۔ جبکہ ریحاب یونیورسٹی میں پڑھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

ریحاب کو اس نے اپنے حالات کا نہیں بتایا تھا' پھر بھی وہ سب جان گئی تھی۔ اس نے شکیل صاحب سے کہہ کر اپنے آفس میں اس کے لیے جگہ بنائی لیکن بھلا وہ یہ نوکری کیسے کر سکتی تھی' وہ ان سے دور رہنا چاہتی تھی لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی کہ وہ ان سے دور رہ کر انہیں بھول جائے گی۔ دل کی زمین پر جو محبت کی کونپل پھوٹی ہے۔ وہ سیراب نہ ہونے کی صورت میں پھلے پھولے گی نہیں۔

عمر نے دوبارہ ریحاب کو فون کیا تو اس نے فوراً" اس کی جاب کا پوچھا اس نے انکار کیا تو ریحاب نے ہمت کر کے عمر سے کہا کہ وہ اپنی سی۔ وی لے کر اس کے پاپا کے آفس آجائے۔ عمر نے فوراً" وہاں پہنچنے کی ہامی بھرلی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ حقیقت جاننے کے بعد ریحاب کا کیا ردعمل ہوگا لیکن وہ اس مذاق کو مزید بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ اسے علم تھا کہ اس لڑکی کا دل کس قدر نازک ہے۔

جب عمر آفس پہنچا تو وہ وہاں پہلے سے موجود تھی۔ جبکہ شکیل صاحب نے بہت حیرت میں گھر کر عمر سے مصافحہ کیا تھا۔

"برخوردار! یہ کیا چل رہا ہے۔ میں کیا سن رہا ہوں۔ عمر ذوالقرنین کے پاس نوکری نہیں۔" ان کی بات پر وہ مسکرا اٹھا تھا۔

"سر! میرے پاس کب نوکری ہے بھلا؟ میں تو اپنے پاپا کی "دکان" چلاتا ہوں۔" وہ شرارت سے بولا تو وہ ہنس پڑے۔ ریحاب ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اصل بات کیا ہے؟ بتانا پسند کرو گے؟" دونوں کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے بہت اچھی طرح واقف ہیں اور پھر عمر نے ساری تفصیل انہیں بتادی۔ حقیقت جان کر ریحاب کا تو غصے سے برا حال ہو گیا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ سامنے بیٹھے عمر کا سر پھاڑ دے۔ وہ تیزی سے ان کے آفس سے نکل آئی تھی۔ وہ پیچھے سے پکارتے رہ گئے۔

"آئی ایم رئیلی سوری۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ ایسے ری ایکٹ کریں گی۔" وہ شرمندگی سے بولا۔

"میری ریحاب بہت معصوم ہے۔ اس نے بنا سوچے تمہاری کہانی پر یقین کر لیا تھا حالانکہ اگر وہ ذرا توجہ دیتی تو تمہارا جھوٹ پکڑ لیتی لیکن اسے تمہاری کہانی نے افسردہ کر کے رکھ دیا تھا۔" وہ مسکرا کر کہہ رہے تھے۔ عمر بھی ہنس پڑا۔

اس کے بعد اس نے ریحاب کو بیسیوں فون کیے تھے مگر اس نے ایک بھی فون نہیں اٹھایا۔ اس نے پھولوں کا گلدستہ اور سوری کا کارڈ۔ ی۔ ایس کیا۔

"بیٹا! اس کا وہ مذاق اتنا بھی برا نہیں تھا کہ تم اسے معاف نہ کر سکو۔" پاپا کے اتنا کہنے پر ہی اس نے عمر کو فوراً" میسج کر دیا کہ وہ ناراض نہیں۔

☼ ☼ ☼

اس واقعے کے ایک ہفتے بعد ہی عمر کے والدین اس کے گھر اس کا رشتہ مانگنے کو موجود تھے اور ضوفشاں بیگم نے جب شکیل صاحب کو دیکھا تو وہ ششدر رہ گئیں۔ ضوفشاں عمر کی سوتیلی ماں کسی زمانے میں وہ شکیل صاحب کے آفس میں جاب کرتی تھیں۔ لاکھ ڈورے ڈالے مگر وہ ان کے ہاتھ نہ آئے۔ وہ دل سے انہیں پسند کرتی تھیں' لیکن ان کے جھڑکنے نے انہیں پاگل سا کر دیا تھا۔ وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں سوائے جاب چھوڑنے کے سوا انہوں نے جاب چھوڑ دی۔

اس کے بعد انہیں ذوالقرنین کے آفس میں نوکری مل گئی۔ وہ طرحدار اور حسین تھیں ذوالقرنین صاحب کو ایسی خواتین ہی پسند تھیں۔ دونوں کا دھواں دار الفینو چلا اور نتیجہ شادی کی صورت برآمد ہوا۔ عمر نے انہیں قبول نہیں کیا تھا۔ حالانکہ اس کی اپنی ماں بھی اسی مزاج کی تھیں۔ وہ ایک بروکن فیملی کا لڑکا تھا۔ سالوں پہلے اس کے والدین الگ ہوگئے تھے۔ لیکن اس نے اپنے اندر والدین کی کمی کو حسرت بنا کر پروان نہیں چڑھایا۔ اس نے اپنی دنیا بنالی تھی۔ ضوفشاں نے اس پر اپنا کنٹرول کرنا چاہا لیکن وہ "عمر" تھا۔

دن گزرتے گئے۔ ضوفشاں کے دل میں شکیل صاحب کا انکار کسی خنجر کی طرح چبھا رہ گیا۔ وہ اکثر انہیں مختلف پارٹیز میں دکھائی دیتے۔ ان کا پہلو ہمیشہ خالی ہوتا۔ وہ جل کر رہ جاتیں۔

عمر نے گھر میں کسی ریحاب نامی لڑکی کا ذکر کیا تھا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ذوالقرنین کو بھلا کیا اعتراض ہونا تھا۔ وہ اس اشتیاق میں چلی آئی تھیں کہ عمر کی پسند دیکھیں گی؟ نہیں بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ ریحاب "شکیل" کی بیٹی ہوگی۔

وہاں سے واپس آنے کے بعد انہوں نے ریحاب کو بہو ماننے سے انکار کردیا تھا۔ ان کے اس بے تکے انکار کو بھلا کون اہمیت دیتا؟ ذوالقرنین کو وہ عزیز تھیں لیکن چونکہ ان کے انکار کی معقول وجہ نہیں تھی سو انہوں نے ضوفشاں کو خاموش رہنے کو کہا۔

☼ ☼ ☼

ان کی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ اس کا چیخنا چلانا سب بیکار تھا۔ شکیل صاحب کا رویہ ریحاب کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ ساری غلطی ان کی تھی۔ مگر پھر بھی وہ اسے کیوں صفائی نہیں دے رہے تھے۔ اس سے کیوں کچھ نہیں کہا۔؟ کچھ تو بولتے لیکن وہاں ایک گہری خاموشی اور تکلیف دہ لاتعلقی تھی۔ وہ خود اس سے ناراض ہوگئے تھے۔ منال الگ گم صم تھی۔ پورے گھر میں ایسا سناٹا تھا جیسے کوئی مرگ ہوگئی ہو۔

چاروں طرف وحشت ناچتی پھرتی تھی۔

اسے اپنے پاپا کے فیصلے کا علم بھی ہوگیا تھا کہ وہ منال سے نکاح کررہے ہیں۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کے دل کو چین نہیں تھا۔ پتا نہیں کیوں اسے لگ رہا تھا کہ اس نے جذباتی ہو کر بہت غلط کردیا ہے۔ وہ یوں ہی بے قراری سے گھبرا کر کمرے سے باہر نکلی تھی۔ اس کے کمرے کے برابر ہی شکیل صاحب کا کمرہ تھا۔ اس نے منال کو اندر جاتے دیکھا۔ وہ وہیں رک گئی پھر کچھ سوچ کر دروازے پر آئی۔ اندر سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں اس نے کان لگائے۔

"آپ نے ریحاب کو حقیقت کیوں نہیں بتائی۔؟ کیوں اس کی غلط فہمی دور نہیں کی؟" منال کی بھرائی ہوئی آواز نے اسے چوکنا کردیا۔

"اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔" شکیل صاحب کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ ریحاب کے اندر تک پھریری دوڑ گئی۔

"لیکن۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ وہ میری بیٹی ہے۔ میرے وجود کا حصہ۔ وہ مجھے ایسا گرا ہوا سمجھتی ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس کی ماں کے مرنے کے بعد کبھی کسی عورت کے بارے میں نہیں سوچا۔ ریحاب کو اپنی زندگی کا محور بنایا۔ اس کی بہترین تربیت کی۔ اسے محبت دی اور اس نے مجھ پر بھروسا تک نہ کیا۔ ایک بھروسا بھی نہ دے سکی وہ مجھے۔؟ کیا ایسی ہوتی ہے اولاد؟ اولاد؟ ایسی ہی ہوتی ہے۔

وہ شدید اذیت بھرے لہجے میں بول رہے تھے۔ ریحاب میں مزید کچھ سننے کی تاب نہیں تھی۔ اسے لگا' وہ مرجائے گی۔ اس جیسی اولاد کا مرجانا ہی اچھا تھا۔ ایک شیپ شدہ فون سننے کے بعد اس نے اپنے باپ کے کردار پر کیسے شک کرلیا؟ اسے خود سے اپنے آپ سے گھن آرہی تھی۔ اس نے دعا کی کہ وہ مرجائے۔

منال کو جو نوکری ملی تھی' وہ اس سے بے حد خوش

تھی۔ اس کی تنخواہ اتنی تھی کہ وہ آسانی سے اپنی ضروریات پوری کرسکتی تھی۔ آفس میں بھی اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہاں کا ماحول بھی کافی سازگار تھا۔ البتہ شارق زمان جو کہ باس کا چمچہ تھا۔ اکثر اسے تاڑتا۔ وہ کوفت میں مبتلا ہو جاتی۔ جیسے جیسے دن گزرتے جارہے تھے۔ شارق زمان اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگا۔ بظاہر وہ بے حد مہذب انسان تھا۔ لیکن منال چونکہ اس کی توجہ محسوس کرچکی تھی اس لیے اس سے دور رہتی تھی۔ اس کے دل میں ایک ہی انسان تھا اور وہ اس کے علاوہ کسی اور کو وہ جگہ نہیں دے سکتی تھی۔

چند دن اور گزرے اور شارق زمان نے اسے شادی کے لیے پرپوز کردیا۔ اس نے ایک لمحہ بھی سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی اور اسے انکار کردیا تھا۔ شارق زمان کا تاریک ہوتا چہرہ دیکھ کر اسے افسوس ہوا لیکن وہ بھی دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔

شارق زمان کا دن بدن بڑھتا اصرار اور پاگل پن اسے خوف زدہ کررہا تھا۔ وہ جاب بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ کیا کرے، کیا نہ کرے کہ درمیان لٹکی رہتی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ شارق زمان ایک نمبر کا فلرٹی آدمی تھا لیکن چونکہ اسے اب شادی کرنی تھی اس لیے اسے منال پسند آئی۔ اس نے منال جیسی لڑکیاں بہت کم دیکھی تھیں۔ اسے باکردار لڑکی چاہیے تھی اسے منال نظر آگئی۔ وہ سچ مچ اسے پسند کرنے لگا تھا لیکن اس کا مستقل انکار اس کا کریز اس کے اندر کے انا پرست مرد کو جگا رہا تھا بلکہ جگا چکا تھا۔

منال کے پیچھے وہ بہت خوار ہوا لیکن پھر بھی وہ نہ مانی۔ اس نے منال کے انکار کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا تھا۔ وہ اسے جھکا ہوا دیکھنا چاہتا تھا اور اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے کیسے اپنے سامنے جھکائے گا۔ وہ خود اس کے پاس آتی اور اس کی منتیں کرتی کہ وہ اس سے شادی کرلے اور اس کے بعد وہ اپنا لیتا۔ اس کا بدلہ پورا ہو جاتا۔ اس نے پلان ترتیب دے دیا تھا۔ اور دن بھی منتخب کرلیا تھا۔

وہ روز کی طرح آفس آئی۔ ابھی اسے آفس آئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اس کا موبائل بجا۔ فون سن کر وہ بری طرح پریشان ہوگئی تھی۔ شارق اسے روتا دیکھ کر اس کے پاس آیا تھا۔

"کیا ہوا منال۔ خیریت تو ہے نا؟" وہ مصنوعی پریشانی سے بولا۔

اسپتال سے فون آیا ہے کہ ابا کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ مجھے جانا ہے۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تم پریشان مت ہو۔ میں تمہیں اسپتال ڈراپ کردیتا ہوں۔" اس نے آفر کی تھی اور منال نے بنا سوچے قبول کرلی۔ پورے راستے وہ روتی اور دعائیں کرتی رہی۔ چونکی تب، جب شارق نے ایک گھر کے سامنے گاڑی روکی۔

"آپ یہاں کیوں آگئے۔؟" وہ حیران سی بولی۔

"تمہارے ابا اسپتال میں ہیں یقیناً" پیسوں کی بھی ضرورت پڑے گی۔ میں اپنا والٹ گھر بھول گیا تھا، وہی لینے آیا ہوں۔" اس نے اتنا معقول بہانہ پیش کیا تھا کہ اسے شک بھی نہ ہوسکا۔ اور فی الحال اس کے پاس بہت کم پیسے تھے اپنی انا کو مار کر وہ چپ رہی۔

"تم بھی اندر آجاؤ۔ پانی وانی پی لو۔" وہ چپ چاپ اتر آئی۔ داغ حامد صاحب میں انکا تھا۔ اس نے گھر کے اندر قدم رکھا۔ وہ ایک کمرے میں گھس گیا تھا۔ اسے لاؤنج میں بٹھا کر وہ والٹ ڈھونڈنے لگا۔ وہ پانی پینے لگی۔ ٹینشن سے اس کا دل شدید دھڑک رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شارق اندر آیا۔

"چلیں۔" اس نے اپنی سرخ آنکھیں اٹھا کر کہا تھا۔ رونے کی وجہ سے اس کی ناک اور چہرہ سرخ ہورہا تھا۔ اس کا حسن مزید نکھر گیا تھا۔ شارق کی نگاہیں بدلی تھیں۔ اب ان میں صرف بدلہ نہیں تھا، جذبات بھی تھے۔ وہ جذبات جو شدید انا نے دبا لیے تھے۔ وہ بے اختیار اس کے قریب آیا۔

"منال۔" اس کی آواز اور لہجہ بدل گئے تھے۔ منال کا رنگ اڑ گیا۔ یہ کیا ہورہا تھا اور اب آگے کیا ہوگا۔؟ وہ خوف زدہ سی کچھ سوچ بھی نہ پائی تھی کہ شارق نے

اسے بے بس کردیا۔ وہ چیختی رہی مگر اس نے اس کی ایک نہ سنی۔

اپنی ہوس پوری کرنے کے بعد اس نے منال کو بتایا تھا کہ اس نے وہ جھوٹا فون کروایا ہے۔ منال نہ زندوں میں تھی نہ مردوں میں۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ اسے کچھ کہہ پاتی۔ اسے اب تک قدرت کی اس ستم ظریفی پر یقین نہیں آرہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں منتظر ہوں کہ کب تم مجھ سے کہو گی شارق مجھے اپنالیں۔"

اس روز اس نے کیسے خود کو سنبھالا تھا' یہ وہی جانتی تھی۔ اگر وہ یہ بات اپنی ماں کو بتاتی تو وہ جیتے جی مرجاتیں۔ وہ خود تو بے موت مرچکی تھی اب کسی اور کو موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتی تھی۔ شارق روز اسی قسم کے پیغامات اسے بھیجتا۔ وہ اب زندہ لاش تھی۔ جبکہ شارق کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ مرجائے گی لیکن شارق جیسے گدھ کے سامنے جھکے گی نہیں۔ لیکن یہ محض اس کی خام خیالی تھی۔ طبیعت خراب ہونے پر اس نے ٹیسٹ کروائے تھے اور تب اسے معلوم ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ وہ سن رہ گئی تھی۔ سالوں کی عزت مٹی میں مل چکی تھی۔ اسے لگتا تھا وہ غم کی شدت سے مرجائے گی۔ وہ اپنے مرنے کی دعائیں مانگتی لیکن وہ بھی قبول نہ ہوتیں۔

☼ ☼ ☼

ان ہی دنوں شکیل صاحب کسی کام کے سلسلے میں حیدر آباد گئے تھے۔ ایک سڑک پر گاڑی بے قابو ہوجانے کے باعث انہیں چوٹ آئی تھی۔ قریبی کلینک جاکر انہوں نے مرہم پٹی کروانے کا سوچا تھا اور وہاں انہوں نے منال کو دیکھا۔

وہ لیڈی ڈاکٹر سے روتے ہوئے جو کہہ رہی تھی' اس نے ان کو منجمد کردیا۔ وہاں سے نکلتے منال نے شکیل صاحب کو دیکھا تو اسے اس آخری صدمے سے بھی گزرنا پڑا۔ انہوں نے بے انتہا غصے سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور اسے باہر لے کر آئے تھے۔

"یہ کیا سن رہا ہوں میں؟" غصے سے ان کی بری حالت تھی۔ اس نے روتے بلکتے ساری بات انہیں بتادی۔ کتنی ہی دیر وہ گم صم رہے۔ "بالکل ساکت اور چپ۔

"تم آج ہی میرے ساتھ کراچی چلو گی اور وہاں اس بارے میں ریحاب کو بھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں اور اس شارق کو تو میں دیکھ لوں گا۔" ان کا بس نہ چلتا تھا کہ اس شکاری کو قتل کردیں۔

"میں وہاں جاکر کیا کروں گی۔؟ اور رہی بات اس آدمی کی تو جو بھی ہوا اب میری عزت تو واپس نہیں آسکتی۔ میں اور بدنامی نہیں برداشت کرپاؤں گی۔ وہ مجھے بدنام کردے گا' وہ بہت گھٹیا آدمی ہے۔" منال خوف زدہ تھی۔

"اب یہاں تو میں تمہیں نہیں رہنے دے سکتا۔ اور اس مسئلے کا بھی کوئی حل سوچتے ہیں۔" وہ خود بہت پریشان ہوگئے تھے لیکن اسے تسلی دے رہے تھے۔

وہ منال کو اس کے گھر لے گئے۔ وہ بیمار پڑے حامد صاحب کو ساتھ چلنے کے لیے منا رہے تھے اور وہ مان گئے۔ منال کا دن بدن پیلا پڑتا رنگ انہیں پریشان کرتا تھا وہ جانتے تھے کہ باہر نوکری کرنا آسان کام نہیں لیکن انہیں اندازہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ منال کیا کچھ برداشت کرچکی ہے۔

فون پر ہدایات دے کر وہ انیکسی ٹھیک کرواچکے تھے۔ ریحاب' منال کی اچانک آمد پر جہاں حیران تھی وہاں بے تحاشا خوش بھی تھی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح گہرائی میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ منال آچکی ہے۔

☼ ☼ ☼

کراچی آجانے کے بارے میں تو شارق نے سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ اسے فون پر دھمکاتا لیکن اب وہ اس سے

کیوں ڈرتی؟ اس کے ساتھ شکیل تھے۔ وہ اسے اپنے ایک دوست کی لیڈی ڈاکٹر بیوی کے پاس چیک اپ کے لیے لے گئے تھے۔ یہ سب منال کو بے حد شرمندگی سے دوچار کرتا تھا لیکن وہ کیا کرتی؟ مجبور تھی وہ۔ وہ یہ بچہ پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی شکیل صاحب کو پتا چلا تو انہوں نے سختی سے منع کیا تھا لیکن منال کی دن بدن بگڑتی حالت دیکھ کر وہ اسے خود ایک ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔ وہ ڈاکٹر چونکہ ان کے قریبی دوست کی بیگم تھیں اس لیے وہ ان پر بھروسا کرتے تھے۔ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو ضوفشاں نے سن لی تھی۔ وہ اس ڈاکٹر سے ملنے آئی تھیں کہ ان کے ان سے دوستانہ تعلقات تھے اور وہاں آکر انہیں جیسے خزانہ ہی تو مل گیا تھا۔ ان کی گفتگو کو انہوں نے نہ صرف ریکارڈ کیا تھا بلکہ ایڈٹ کر کے اسے ریحاب کو بھیج دیا تھا۔ ریحاب کے لیے یہ سب اس قدر حیران کن تھا کہ وہ ساکت رہ گئی تھی۔ اور پھر رپورٹس بھی اس نے منال کے کمرے سے ڈھونڈ نکالی تھیں۔ اس سب نے اس کے حواس چھین لیے تھے۔ وہ پاگل ہو گئی تھی۔ اسے لگتا تھا اس کا دل پھٹ جائے گا۔ ضوفشاں اپنے اس کارنامے پر بے حد خوش تھیں۔ انہوں نے بعد میں اسے فون کر کے یہ بھی کہا تھا کہ وہ عمر سے شادی سے انکار کر دے کیونکہ وہ ایک بدکردار مرد کی بیٹی کو قبول نہیں کر سکتیں۔ اس نے ان کے فون آجانے سے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ وہ عمر سے تو کیا کسی سے بھی شادی نہیں کرے گی۔ بقول اس کے اتنے نیک پاپا بہک گئے تو عمر تو تھا ہی فلرٹ۔ اس نے بنا سوچے سمجھے وہ سب کیا تھا۔ اسے حقیقت کا علم نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی رو رہی تھی۔ اس نے روتے روتے سر اٹھایا اور منال سے بات کرنے کا سوچا' وہ اپنا موبائل اٹھا کر منال کے کمرے میں آگئی۔ منال کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔ اسے کمرے میں آتا دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔ ریحاب کے چہرے پر اسے شرمندگی دکھائی دے رہی تھی' اسے حیرت ہوئی۔ ریحاب نے کچھ بھی کہے بغیر کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ اور موبائل میں موجود آڈیو چلائی۔ وہ بلاشبہ اس کی اور شکیل صاحب کی آواز تھی' لیکن ان کی باتوں کو کاٹ پیٹ کر ایسے جوڑا گیا تھا کہ وہ بھی سن کر ششدر رہ گئی۔

"بتاؤ۔ میں کیا کرتی۔؟ مجھے معلوم ہے کہ میں نے بہت غلط کیا ہے۔ میں معافی کے بھی قابل نہیں لیکن تمہیں مجھے سچ بتانا چاہیے تھا۔ میرے عزیز ترین اور قریبی لوگوں کے بارے میں جب میں یہ سنوں گی اور تمہاری رپورٹس دیکھوں گی تو۔" وہ رونے لگی۔ منال اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اور سب سچ بتا دیا۔ حقیقت جان کر تو وہ اور بھی شرمندگی کے گڑھے میں گر گئی۔

"میں حیدر آباد شارق سے ملنے گئی تھی۔ اماں ابا سے بھی مل نہیں پائی۔ وہ کچھ دن بعد ہی حیدر آباد چلے گئے تھے تاکہ گھر پہ رہ سکیں۔ شارق نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے اس سے شادی نہ کی تو وہ میری اور اپنی وڈیو نیٹ پر اپ لوڈ کر دے گا۔ وہ ایسا کر بھی سکتا ہے۔ میں بہت پریشان ہو گئی تھی۔ پھر شکیل صاحب کو بتایا تو انہوں نے اپنے ذرائع استعمال کر کے اسے غائب ہی کروا دیا۔ وہ تھکے تھکے لہجے میں بول رہی تھی۔

"شارق پولیس کی تحویل میں ہے اور سالوں کے لیے اندر چلا گیا ہے۔"

"میں اس قابل تو نہیں کہ معافی مانگ سکوں لیکن پھر بھی۔"

"کوئی بات نہیں۔" منال نے اس کے ہاتھ پکڑے۔ جس قسم کا یہ آڈیو کلپ تھا اس کے بعد تمہارا ایسا سوچنا حیران کن نہیں۔" منال نرمی سے بولی۔

"مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ تمہاری زندگی میں اتنا سب کچھ ہو گیا۔ میں غلط فہمیوں میں گھری اپنے رونے روتی رہی۔" وہ روتے ہوئے بولی منال نے اسے ساتھ لگا لیا۔

وہ اس کی بہت اچھی دوست تھی۔ اور یہ سب جو بھی ہوا' منال کو لگتا تھا کہ اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ نہ شکیل اس کی مدد کرتے نہ ریحاب غلط فہمیوں میں پڑتی۔

ریحاب کی جان مشکل میں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ دونوں اتنی آسانی سے اسے معاف نہیں کریں گے۔ اس کے پاپا کی دکھ بھری آواز' مان ٹوٹنے کا غم۔ کیا کچھ نہیں تھا ان کے لہجے میں۔ اور اس نے عمر کو بھی کتنا تنگ کیا تھا۔ دونوں ہی اسے بہت عزیز تھے اور دونوں ہی اب اس سے شدید ناراض بھی۔

وہ دن میں دس بار ان کے کمرے کے چکر کاٹتی' وہ اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیتے۔ اس کا دل کٹ جاتا۔ دن رات روتے ہوئے گزرتے تھے۔ دوسری طرف عمر بھی اس سے بات نہیں کر رہا تھا۔

منال کے والدین بھی آگئے تھے۔ اور ان سے رشتے کی بات بھی ریحاب نے ہی کی تھی۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہوتا۔ شکیل صاحب بھلے ہی اس کی دوست کے والد تھے لیکن اتنی بڑی عمر کے ہرگز نہیں تھے۔ اور جس قسم کی طبیعت حامد صاحب کی ان دنوں تھی' انہیں یہی بہتر لگا کہ وہ ہاں کر دیں۔

شکیل صاحب تو بالکل ہی اس سے لاتعلق تھے۔ ریحاب روتی رہتی۔ منال اسے کب تک سنبھالتی۔ شادی کا دن بھی آن پہنچا۔ وہ اسٹیج پر دلہن بنی بیٹھی تھی۔ رات گہری ہو رہی تھی لیکن شہر کے اس مہنگے ہال میں بجی روشنیاں اندھیرے کا مقابلہ کرتے اتری تھیں۔ منال نے اپنے نکاح کا دن آگے بڑھا لیا تھا۔ وہ لوگوں کے اس ہجوم میں کیسے دلہن بن کر بیٹھتی وہ بھی شکیل صاحب کی۔ وہ بھی اس کی مشکل سمجھ گئے تھے۔

ریحاب دلہن بنی بے حد حسین لگ رہی تھی اتنی کہ عمر کی اس پر نگاہ پڑتے ہی ساری ناراضی اڑن چھو ہو گئی۔ جبکہ شکیل صاحب لاکھ کوشش کرتے پر آج کے دن وہ اپنے دل کو اداس ہونے سے روک نہیں پائے تھے۔ ان کی آنکھیں بار بار بھر آرہی تھیں اور پھر اس کی رخصتی کا وقت بھی قریب آگیا۔

ریحاب جب ان کے گلے لگی تو ساری ناراضی' آنسوؤں میں بہہ گئی۔ وہ رو رو کر ان سے معافی مانگ رہی تھی۔ ان کا دل اس کی طرف سے صاف ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

ریحاب بجی سنوری حوروں کو بھی مات دیتی پلنگ کے عین وسط میں بیٹھی تھی۔ وہ عمر کی ناراضی کا سوچ سوچ کر پریشان تھی۔ تب ہی عمر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ سوچوں میں ابھی سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے قریب بیٹھنے پر وہ چونکی۔ فوراً" ہی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آگئے۔

"تم پھر رونا شروع ہو گئیں۔" عمر اچھنبے سے بولا۔

"آئی۔ ایم رئیلی سوری عمر! میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا۔" وہ سوں سوں کر کے کہہ رہی تھی۔ عمر نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"جو ہونا تھا ہو چکا۔ میں وہ ساری بری باتیں بھلا چکا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا تو ریحاب خوش ہو گئی۔

"میں اپنی اس نئی زندگی کی شروعات لڑائی' جھگڑے یا ناراضی سے نہیں کرنا چاہتا۔ تم نے اس وقت جو کیا' وہ غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ چاہے غلط سہی لیکن پھر بھی۔ جن سے محبت کی جاتی ہے ان کی غلطیاں معاف کرنے کا ظرف بھی رکھا جاتا ہے۔ اور مجھے تم سے بے تحاشا محبت ہے۔ اور میں وہ سب بھول چکا ہوں۔ آج سے ہماری نئی زندگی شروع ہو رہی ہے۔ بولو اس نئی زندگی میں تم میرا ساتھ دو گی؟" وہ مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ ریحاب نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ کر یقین دہانی کرائی تھی۔

PAKSOCIETY